مطبوعات

FROM THE BANKS OF HISTORY

از جناب محمد امین باجوہ - بی-ایس-سی - ناشر: فاروق امین باجوہ برادرز "شاریکس" کالونی، صادق آباد، ضلع رحیم یار خاں - سفید کاغذ پر ٹائپ کی بہت خوب صورت طباعت، سادہ، خوشنما اور مضبوط جلد - قیمت: نامعلوم -

اب تک تو ہم سمجھتے تھے کہ باجوہ برادرز کی شاریکس لیبارٹری شاید صرف "شارک" مچھلیاں بناتی[1] ہے - اور دریائے تاریخ کے کناروں سے پانی میں پھینک دیتی ہے، مگر اب معلوم ہوا کہ وہ کتابیں بھی بناتی ہے - جو شاید شارک مچھلیوں کی غذا کے لیے مناسب ہوں - کیونکہ دیمک کے علاوہ، یہ بھیڑیوں کی بھی من پسند خوراک ہے - (ص - ۳۰) - کتاب کا یہی مصرف بہترین ہے، نیکی کر دریا میں ڈال - ورنہ اب کتابیں پڑھنے کا فیشن تو یونیورسٹیوں اور کالجوں سے بھی رخصت ہو رہا ہے، کجا کہ غیر طالب علم لوگ پڑھیں - یہاں کا اصول تو اب یہ ہے کہ علموں بس کریں او یار! اب تو کلاشنکوف ہے یا ووٹ یا پلاٹ یا فلیٹ یا وزارت یا مشیری - باقی سب ہیر پھیر ہے -

متذکرہ طویل جملہ معترضہ کی معافی چاہتا ہوں -

اس انگریزی کتاب میں بہت ہی سادہ اور رواں اور دلکش زبان استعمال کی گئی ہے - اس میں چند فی صدی آٹو بیاگرافی بھی شامل ہے، مگر حقیقت میں یہ پورے خاندانی قافلے کی اخلاقی، تمدنی اور اقتصادی روداد ہے - یہ قافلہ سیالکوٹ سے چل کر ضلع فیصل آباد اور وہاں سے صادق آباد تک پہنچا ہے - والدین اور اولادوں کی اور بھائیوں اور بہنوں کی محبتوں کی جگمگاہٹ کے ساتھ اور کہیں کہیں بعض صدمات کی خوں فشاں جراحتوں کے ساتھ جناب محمد امین باجوہ نے خاندان کی تمدنی داستان بیان کرتے ہوئے کبھی کھیتوں کی مٹی میں مٹی ہو جانے کی کاشتکارانہ جہد کا منظر دکھایا ہے، کبھی

---

[1] یہ مجھے معلوم ہے کہ شاریکس کا تلفظ دوسرا ہے: SHAREX -

یا با فتح دین اور بھینسوں کا حال چال بیان کیا ہے۔ کبھی دودھ بلونے کی مٹکی (چاٹی) کے پاس جا پہنچا یا ہے جہاں چند لمحوں میں مدھانی مکھن کو لسی سے الگ کر دیتی ہے۔ کبھی وہ تحریک پاکستان کے وقت کے انسان کشی کے مناظر دکھاتے ہیں۔ کبھی وہ تعلیمی اور کالجی فضا میں لے جاتے ہیں۔ اور بڑی خوبصورتی سے پہلی بار پیسٹری سے شوق فرماتے ہیں۔ پھر ان کی زندگی کا عظیم واقعہ ان کا مع بیگم کے جوانی میں حج پر جانا ہے۔ اس مبارک سفر میں محمد امین باجوہ صاحب کہتے ہیں کہ حج نے میری آنکھیں بھی کھول دیں اور دل کو بھی شرحِ صدر کی کیفیت ملی۔ نتیجۃً میں نے قرآن اور اس کی صداقت کو زیادہ بہتر طور پر سمجھا۔ نئے احساسات کے ساتھ جو دعا انھوں نے مسجد نبویؐ میں کی وہ انتہائی خلوص و والہیت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ (ص ۵۰)۔ پھر تیسرے باب میں بیوی بچوں کے متعلق بہ اندازِ خاص تفصیلات لکھی ہیں۔ بیچ بیچ میں دریائے تاریخ کی موجوں کی کچھ جھلکیاں سامنے آتی جاتی ہیں۔ مثلاً تشکیل پاکستان، بنگلہ دیش کی علیحدگی، شاہ ایران کی شادی فرح دیبا سے۔ شاہ کے تخت و تاج کا ۱۹۷۹ء میں خاتمہ، افغانستان پر روس کی جارحیت وغیرہ۔ مسرت کی بات ہے کہ امین باجوہ صاحب کا سفرِ عمر ان کو شروع ہی میں جماعتِ اسلامی میں لے آیا۔ الحمدللہ!

ساری باتیں کہنے کے لیے جگہ نہیں۔ ویسے حقیقتوں کی اس سادہ بیانی کا جو خاص لطف ہے وہ بڑی ادبی نگارشوں اور تحقیقی کاوشوں میں نہیں ملتا۔

فقہ النساء عربی کتاب از جناب محمد عطیہ خمیس۔ اردو ترجمہ: سید شبیر احمد صاحب رکن ادارۂ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور۔ سفید کاغذ پر کھلی کھلی کتابت۔ رنگین مضبوط جلد۔ صفحات ۵۴۴ قیمت: ۹۰/ روپے (مناسب)۔

اسلامی شریعت و فقہ کا ایک بڑا حصہ خواتین سے متعلق مسائل خاص پر مشتمل ہے۔ آخر حصہ بحساب مساوات۔ مگر اس خاص دائرے میں کتب کی ایسی کمی رہی ہے کہ اس پر خواتین کو احتجاج کرنا چاہیے تھا۔ مگر ادارہ معارف اسلامی نے ان کے احتجاج سے قبل ہی ایک جامع کتاب پیش کر دی ہے۔ مگر اس ضخیم کتاب میں زیادہ تر عباداتِ خمسہ کے متعلق فقہی احکام و دلائل پیش کیے گئے ہیں ۔۔ مساوات اور حقوق وغیرہ کی بحثیں نہیں کی گئیں۔ مجموعی طور پر یہ ایک جامع اور

اچھی رہنمائی ہے۔ فاضل مترجم جناب شبیر احمد صاحب عربی اور اُردو دونوں زبانوں کو جانتے اور ترجمہ کاری میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کے کیے ہوئے کام میں فی نکالنا بڑی زیادتی ہے۔

مگر فقہی کتابوں میں جب اختلافی استنباط پیش کیے جاتے ہیں تو کبھی کبھی نص اور عقل دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اختلافات غیر عالم قاری کو پریشان کرتے ہیں اور شریعت دشمن محاذ کے ترکش میں اضافہ کرتے ہیں۔

چند قابلِ توجہ گذارشات:

۱۔ فاضل و محترم مترجم فرماتے ہیں کہ چاروں فقہوں کے احکام بیان کر دیے گئے ہیں، ان میں سے عورتیں جس معاملے میں جس نقطۂ نظر کو چاہیں اختیار کریں۔ ہماری رائے میں یہ مرتبہ اوسط درجے کے عالموں کا ہے کہ وہ مختلف آرا اور استنباطات میں سے کسی کا انتخاب کریں۔ عوامی سطح پر، مرد ہوں یا عورتیں وہ نہ تو پورے سلسلۂ استدلال کو جان سکتے ہیں، نہ احادیث کی صحت کی جانچ کر سکتے ہیں، نہ اُصولِ فقہ کو سمجھ کر ان کا انطباق کر سکتے ہیں اور وہ اگر فقہی احکام کو اپنی پسند پر اس طرح لینے لگیں جیسے مرغیاں دانہ چگتی ہیں تو بڑی مشکل ہوگی۔ فرد فرداً الگ الگ راستے پر چل پڑے گا اور اجتماعی عبادات میں ایک عجیب تفرقہ واقع ہوگا۔ نیز آسانیاں جمع کرنے والی قباحت تو ضرور پیش آئے گی۔ اصل میں کسی ایک فقہی حکم کے لیے صرف دلیل کا ہونا اور چیز ہے اور مختلف دلائل و احکام کا مختلف علما کے تحقیق کردہ جامع اُصولِ فقہ کے تحت آنا اور چیز ہے۔ ورنہ اگر ایک معاملے میں ایک اُصول (یا دلیل) کو لے کر دوسرے میں اُسے توڑ دیا جائے تو عجیب فکری و عملی پراگندگی پیدا ہو جائے گی۔[1] دُنیا کا ہر نظامِ قانون اُصولیات کے تحت جزئیات کو مرتب کرتا ہے۔ مثلاً اینگلو سیکسن لاء اُصولوں کے مختلف سیٹ رکھنے کی وجہ سے متعدد لیگل طرزِ فکر (SCHOOLS OF THOUGHT) رکھتا ہے۔ ہمارا نظامِ قانون بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ میں اس توسع کے خلاف نہیں جو مولانا شبیر احمد صاحب کے مزاج میں ہے، مگر کم علم ہونے کے باوجود

---

[1] خوش قسمتی سے قریبی عرصے میں ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی (اسلام آباد) کے رسالہ فکر و نظر (اپریل۔ جون ۱۹۸۹ء) میں ایک مختصر اور اچھا مضمون فقہ کے قواعدِ کلیہ کے متعلق محمود احمد غازی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔

فروع بلا اصول کو صحیح نہیں سمجھتا۔ عوام کو قواعدِ کلیہ کے کسی ایک سسٹم کے تحت فروع کو لے کے چلنا چاہیے۔ خواص کا حساب کتاب اُن کے سر۔

۲۔ ایک گزارش زبان سے متعلق ہے۔ "زیر جامہ" کا لفظ آج کل اُس مختصر اور ہلکے پہناوے کے لیے بولا جاتا ہے جو عام لباس کے نیچے صفائی ستھرائی یا حیاداری کے خاص احساس سے پہنا جاتا ہو۔ ص ۱۵۸ میں اسے تہ بند یا تہمد یا جسم کے زیریں حصے کے لباس کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ مترجم کے الفاظ ہیں "زیر جامہ، یعنی سلوار یا تہ بند" (ص ایضاً)۔

۳۔ ص ۱۷۱ "عورت سر سے لے کر پیروں کے تلوے تک ساری کی ساری ستر ہے"۔ "عورت کا پورا بدن ستر ہے" (ص ۱۹۳)۔ یہاں لفظ عورتؔ اور ستر کے مفہوم کو واضح کرنا ضروری تھا۔

۴۔ "اُولِی الْاِرْبَۃِ" (النور ۳۱) کے بعد اسی آیت کا حصہ "اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ..." ص ۱۷۸ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس پر جو وضاحت بیان کی گئی وہ زمانۂ قدیم سے کتابی دنیا میں چلی آرہی ہے۔ مگر اب حال یہ ہوگیا ہے کہ میں نے ۸، ۱۰ سال کے ملازم بچوں کے متعلق ایسی روایات سُنی ہیں کہ ایک کہتا ہے کہ ہماری بیگم صاحبہ کا فلاں حصۂ جسم مکھن کی طرح ہے۔ "جماع پر قادر نہ ہونا" اور "عورتوں کے احوال سے آگاہ نہ ہونا" پہلے زمانے میں اور درجے پر تھا اور اب سنیما، ٹیلی وژن اور عریاں کہانیوں اور تصویروں نے کسی اور درجے میں پہنچا دیا ہے۔

۵۔ ص ۱۸۲ پر "اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ" کا معنی کہ وہ تو ہلاکت ہے، اس کے ساتھ دوسرا یہ مفہوم بھی قابلِ توجہ کہ موت کی طرح اس سے تحفظ (پردہ) ممکن نہیں۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ خاوند کے بھائیوں اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے پردہ کرنا بعض خادمِ دین زوجین کے لیے نہ صرف سخت آزمائش بنا بلکہ ان کے لیے دعوت کا کام کرنا ممکن نہ رہا۔ اس کے لیے معتدل راستہ یہی ہے کہ زینتوں کے اخفا کے ساتھ عورت ان کے سامنے آئے اور ہنسی ٹھٹھول اور لوچدار گفتگو کے بغیر ضروری حد تک ان سے بات کرے۔ ہاتھوں اور چہرے کا استثنا باہر کے لیے نہیں، قریبی نامحرم رشتہ داروں کے لیے تو ضرور ہوسکتا ہے۔ یہ مسائل بھی کتابی دنیا میں رہ کر نہ سوچے جائیں بلکہ تمدن و معاشرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۶۔ مالکیوں کا قول کہ خوب صورت عورت کے لیے تو چہرے اور ہاتھوں کا چھپانا واجب،

جبکہ بدصورت عورت کے لیے واجب نہیں۔ اس پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ احکام شریعت کا خوبصورت اور بدصورت کے لیے یا حبش اور فرنگن کے لیے الگ الگ قرار پانا عجیب سی بات ہے۔ دوسرے یہ کہ کون فیصلہ کرے گا کہ خوبصورت کون ہے، کون نہیں؟ عدالت یا مفتی یا سلطان وقت یا عورت خود۔ مشکل ہی سے بدصورت عورت بھی اپنے آپ کو بدصورت سمجھے گی۔ تیسرے یہ کہ اس حکم کے معنی یہ ہیں کہ اشرار یہ جان لیں کہ برقعوں والیاں خوبصورت عورتیں ہیں۔ چوتھے یہ کہ کسی لمحے میں کسی مردانہ نگاہ کو کالے رنگ یا ٹیڑھے میڑھے نقوش کی عورت میں کشش محسوس ہو سکتی ہے۔ چال سے یا آواز سے یا لسانی مہارت یا فن رقص و موسیقی کے کمالات سے۔ ایسے مستنبط احکام (کسی کے بھی ہوں) ہر مصنف یا مترجم کو تبصرہ کرنا چاہیئے۔ (ص ۱۹۴)

(۷) یہ مسئلہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضورؐ کے ارشاد کہ "لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ" کی شرح میں بالوں میں بال جوڑنا یا جوڑا لگانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ آگے فقہی تشریحات میں یہ گنجائشیں سامنے آتی ہیں کہ انسانی بالوں کے علاوہ بکری، بھیڑ (یا گھوڑے، گدھے؟) کے بال لگائے جا سکتے ہیں اور مصنوعی جوڑا ملایا جا سکتا ہے۔ کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ خیر، اگر ایسا ہو تو اب تو نائیلون کے بال ہر سائز اور شکل اور رنگ کے اور ان کی "وگز" بھی ملتی ہیں۔ بکریوں بھیڑوں کا دور گیا۔ (ص ۶۶ تا ۷۵)

(۷) موزوں پر مسح کی رخصت کی یہ علت بیان سے رہ گئی کہ مطلوب تکلیفِ بے جا سے بچانا اور رعایت دینا ہے، نہ کہ مسح ان موزوں پر کیا جائے جو گرد و غبار وغیرہ کو روکیں۔ علاوہ ازیں جرابوں کے بارے میں مسح کا جو اشتباہ ہمارے ہاں پھیلا ہوا ہے اسے رفع کرنے کے لیے نوٹ لکھا جاتا تو اچھا تھا۔

(۸) مستحاضہ کے متعلق (ص ۱۰۷) پر حضرت ابن عباسؓ کے قول کی بنا پر بتایا گیا ہے کہ مرد ایسی عورت سے جماع کر سکتا ہے، چاہے خون اس کی ایڑیوں تک بہہ رہا ہو۔ (توبہ، توبہ، مرد بھی کیا بلا ہوتے ہیں) کیوں نہ اس عورت کو مریضہ سمجھا جائے ورنہ تو حالت بخار میں بھی جواز ہی جواز ہے۔

حضرت عائشہؓ کی یہ لطیفہ گوئی فرحت دے گئی کہ عبداللہ بن عمرؓ عورتوں کو غسلِ خاص کے وقت صرف مینڈھیاں کھولنے ہی کا حکم کیوں دیتے ہیں، سیدھی طرح کہیں کہ وہ سر منڈوا کر نہایا کریں۔ (ص ۱۱۳)

(۹) یہ جو ختنۂ نسواں کا مسئلہ اٹھایا گیا، یہ تو بس کتابی انداز سے مکھی پر مکھی ماری گئی ہے۔ اس چیز کا تو تصور بھی مدتوں سے ختم ہو چکا۔ اگر بات ضروری ہے تو محض فقہ میں ذرا سا مسئلہ بیان کرنے کے بجائے

اس کے لیے مہم کرنی چاہیئے اور ضروری نہیں ہے تو ایک "گاؤ خورد" شوشے کو تجدد پسندوں کے سامنے لا رکھنا ہے ایسا ہے جیسے بھیڑیوں کے سامنے بزغالے کو۔

اگر میں لکھتا ہی چلا جاؤں تو مجھے لذتِ خامہ فرسائی باوجود علالت کے نہ جانے کہاں تک لے جائے گی۔ آخر میں مجھے عاجزی سے یہ عرض کرنا ہے کہ مصنفِ کتاب کا بھی اور مولینا سید شبیر احمد صاحب کا خصوصاً بہت احترام کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے خصوصی شفقت برتتے ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ ہم جب تنقید و تبصرہ کی کرسی پر بیٹھتے ہیں تو پھر طائرِ دماغ قاضی شریح کے تصور کے پر لگا کر اونچا اڑنے لگتا ہے۔ امید ہے کہ محترمی سید شبیر صاحب معاف فرمائیں گے۔

مجموعی طور پر یہ کتاب بڑی قابل قدر اور اہم ہے اور عورتوں کو اسے ضرور پڑھنا چاہیئے۔ بلکہ ذرا "غضِّ بصر" کے ساتھ مردوں کو بھی۔ نوجوان البتہ پرہیز کریں۔

میٹھی کونین | از ع، م، بخار علیگ۔ ناشر: ادارۂ تعمیر ادب۔ آر، ۷، ۴م ــ ۱۹، النور سوسائٹی، منصورہ کراچی۔ سفید کاغذ پر ۲۵۳ صفحات، آرٹ کارڈ کا سادہ دبیز سرورق قیمت: ۴۰/- روپے۔

میرا خیال ہے کہ اس میٹھی کونین کی پہلے بھی ایک خوراک ہم دے چکے ہیں۔ اب بخار صاحب کے تقاضے سے ایک خوراک اور! یہ بخار صاحب کا مجموعۂ کلام ہے۔ کونین کی چند میٹھی گولیاں:-

؎ میں ہوں جیب خرچ طبیب کا، میں مطب کی فصلِ بہار ہوں
مجھے زندگی سے غرض ہے کیا، میں رفیقِ کنجِ مزار ہوں

فدائے کنج مزار، یا شہیدِ کنجِ مزار پڑھیں تو کیسا رہے!

؎ جینے والے ہیں پریشاں کہ مکانات نہیں
مرنے والوں کو یہ شکوہ کہ مزارات نہیں

سہ اک ترے مژگاں سے وابستہ ہیں لاکھوں حسرتیں
عرضیاں کتنی ہیں نتھی اک ذرا سے پن کے ساتھ

سہ کس درجہ خوش اخلاق ہے اپوا کی چھیتی
خوش رکھتی ہے ہر فرد کو شوہر کے علاوہ

سہ ایسا چڑھا بخار کہ صورت اُتر گئی
آئینہ دیکھنا بھی انہیں عار ہو گیا

سہ سرحشر بھی تم نہ چوری سے چوکے
یہاں بھی نگاہیں چرا لی گئی ہیں

خیال رہے کہ اس میٹھی کونین کے زیادہ استعمال سے بخار اور زور پکڑتا ہے۔ لکھنے والے صاحب تو سراپا بخار ہی ہو گئے۔ قارئین ذرا احتیاط کریں۔

معذرت

علالت کی بادِ سموم کے تھپیڑے کچھ دنوں سے ذرا پُر زور ہو گئے تھے، اس وجہ سے کام کا توازن قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔ پھر بھی فرائض ادا کیے۔ مگر بدقسمتی سے مطبوعات کے لیے جگہ اتنی کم رہی اور فقہ النساء کا تبصرہ خلافِ معمول اتنا پھیل گیا کہ نہایت اہم کتابیں عرصے سے میرے لیے بارِ امانت ہیں اور کتنے ہی بزرگوں اور احباب کے سامنے شرمندہ ہوں۔ خدا خیر کرے تو کبھی رسالے کا مطبوعات نمبر ہی نکال دیا جائے۔ اور تو مسئلے کا کوئی حل نہیں نظر آتا۔ بہرحال اب تک کی کوتاہی سے درگزر کریں اور آئندہ کی کوتاہیوں کو معاف کرنے کے لیے تیار رہیں۔

(ن۔ ص)